اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام

بابائے اردو مولوی عبدالحق کی پیدائش 1870ء کو بمقام ہاپڑ ضلع میرٹھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر علی گڑھ اسکول میں داخل ہوئے۔ 1895ء میں علی گڑھ کالج سے بی۔اے پاس کیا۔ حیدرآباد کے ایک اسکول کی مدرسی سے ملازمت کا سلسلہ شروع کیا۔ ترقی کرتے ہوئے انسپکٹر مدارس کے درجہ تک پہنچے۔ اس کے بعد انجمن ترقی اردو کے سکریٹری ہوئے۔ 1917ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ ترقی ترجمہ میں بہ حیثیت ناظر کام کرنے کا موقع ملا۔ کچھ اختلافات کی بنا پر یہاں سے علیحدگی اختیار کر کے اورنگ آباد میں کالج کے پرنسپل ہو گئے۔ بعد میں یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر مقرر ہو گئے۔ اس عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد دہلی آئے اور اردو کی اشاعت کا کام بڑے پیمانے پر شروع کیا۔ 1920ء میں مولوی عبدالحق پاکستان چلے گئے اور وہاں بھی انجمن ترقی اردو قائم کی۔ اردو کالج کی بنیاد ڈالی۔ 1961ء میں کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔ مولوی عبدالحق کی مشہور تصانیف میں "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" "مخزن الشعراء" "اسٹینڈرڈ اردو ڈکشنری" اور "دہلی کالج" ہیں۔ آپ نے جہاں ایک طرف تنقید کو گراں مایہ سرمایہ سے مالامال کیا وہاں دوسری طرف اردو ادب کا کوئی بھی پہلو آپ سے اچھوتا نہیں رہا۔ ان کے نثر میں ایک خاص قسم کی پختگی ہے جس میں دہلی کی ٹکسالی زبان کا خاص طور سے رنگ جھلکتا ہے۔

سوال۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کیا کام رہا ہے؟ اسے واضح کریں۔ یا
اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیے۔

جواب: اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام نے اہم، وسیع اور وقیع رول ادا کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی اور دوسرے ممتاز ماہرین لسانیات کا بیان ہے کہ فتح سندھ کے بعد سے اردو کا ہیولیٰ پیدا ہوا اور عرب تاجروں اور مقامی باشندوں کے میل جول اور سندھی، ملتانی اور پنجابی زبان کے اختلاط سے ایک ملی جلی زبان کی بنیاد پڑی۔ محمد تغلق کے دور میں دارالسلطنت دہلی سے دکن گیا اور پھر واپس آیا۔ اس آمدورفت اور میل جول کے نتیجہ میں اردو پروروش پاتی رہی اور صوفیوں نے اس کو ترقی دی۔

پیش نظر عنوان پر بابائے اردو مولوی عبدالحق نے جو کتاب لکھی ہے اس کے نام اور اس کی جامعیت اور افادیت سے ہم سب واقف ہیں۔ ان چیزوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صوفیائے کرام نے خلق خدا تک رشد و پیغام پہنچانے کے لئے مقامی زبان کو اپنایا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان کا مقصد اردو زبان کی ترویج و اشاعت نہ تھا بلکہ وہ اپنا مقصد توحید عام کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس طرح بالواسطہ طور سے انہوں نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں ناقابل فراموش حد تک رول ادا کیا اور وہ زبان جس کے زمین پنجاب کے میدانوں میں خمیر تیار ہوئی تھی اور جس نے دہلی میں خاص حالات میں نئی بولی کا روپ

دھار تھا۔ صوفیوں اور سلطنت دہلی کے لشکروں کی بدولت گجرات، دکن، پنجاب اور دیگر علاقوں میں پھیلی اور بڑی تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔ مولوی عبدالحق نے اس کی تائید میں ملک محمد جائسی کا ایک قول بھی نقل کیا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فریدالدین شکر گنج کے اس جملے سے اردو بول کا آغاز ہوا کہ "پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے"۔ اس کے علاوہ "جمعات شاہی اور خزائن رحمت" میں حضرت بہاالدین باجن اور حضرت قطب عالم نے ان کے منظوم اقوال نقل کیے ہیں۔

تن دھونے سے دل جو ہوتا پاک — پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

خاک لانے سے گر خدا پائیں — گائے بیلاں بھی واصلا پائیں

اسی طرح کی دوسری مثال حضرت بو علی قلندر اور حضرت امیر خسرو کے مکالمے کے اس جملے سے ملتی ہے کہ "ترک کچھ سمجھ دار ہے" اور پتہ چلتا ہے کہ حضرت بو علی قلندر مقامی زبان سے واقف تھے۔ مزید میراں حضرت حمید ناگوری اور حضرت امیر خسرو کی حالات زندگی اور ان کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے کس طرح اردو زبان کی گفتگو اور کلام کو فروغ دیا۔ امیر خسرو نے اپنے ہندی کلام کو خود تذکرہ کیا ہے۔ ان کے دوہے، پہیلیوں سے کون واقف نہیں۔ وجہی نے "سب رس" میں بھی ان کے ہندی دوہے ملتے ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے کچھ دوہے جو ہر مناسبت کے مطابق بطور استعمال ہوتے ہیں۔ اس سلسلے کی تاریخی کڑی میں شیخ لطیف الرحمن دریا نوشی کا چرالی مقالہ "آئے آئے بابا ہمیں بخار ہے" کہا یا ہم تو بخار ہے ہیں اسی بات کو نہ نمایاں تو بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ صوفیائے کرام نے مقامی زبان کو اپنایا اور ان کی بولی چال سے گفتگو کا کلام آگے بڑھایا۔

"خزائن رحمت" میں شیخ رحمت اللہ کا قول ھواللہ کا جو منظوم ترجمہ "نہ اس کا جیا نہ وہ جایا، نہ تا ماں کی باپ کہلایا۔" وہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ صوفیائے کرام کے ملفوظات و ارشادات سے اس زبان کی ابتدائی گفتگو میں بڑی مدد ملی۔ اس سلسلے میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ "معراج العاشقین" بالعموم ان سے ہی منسوب ہے۔ اسی طرح قطب عالم کا جملہ "لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے" صاف ہندی کلمات کا پتہ دیتا ہے۔ شیخ محمد جونپوری بھی ہندی اور گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی تصنیف "رشد نامہ" جن کا تخلص الکھ داس تھا، اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں حضرت محمد غوث گوالیاری، شیخ وجیہ الدین علوی، شیخ بہاالدین برناوی" وغیرہ کے نام بھی آتے ہیں جن کی خدمات کی

تفصیل مولوی عبدالحق نے بیان کی ہے۔ اس کے بعد ایک نام شاہ میراں جی کا آتا ہے۔ حضرت گیسو دراز کے بعد وہ پہلے بزرگ ہیں جن کا مستقل طور پر کلام ملتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے ان کے منظوم رسالہ "شہادۃ الحقیقت" "خوش نامہ" "خوش نغز" اور ایک نثری تصنیف "شرح مرغوب القلوب" کے طویل اقتباسات سے متعارف کرایا ہے۔ میراں جی کے صاحب زادے برہان الدین جانم کا نام بھی اس طرح قابلِ ذکر ہے۔ "سکھ سہیلا" "وصیت الہادی" "منفعت الایمان" وغیرہ منظومات تصانیف کے علاوہ ان کا ایک رسالہ "کلمۃ الحقائق" نامی ان کا نثری رسالہ ہے۔ گجرات میں جن صوفیائے کرام نے اس کام کو آگے بڑھایا ان میں حضرت علی محمد جیو گام دھنی کے علاوہ خوب محمد چشتی اور بابا شاہ حسینی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صوفیائے کرام نے اس زبان کی ابتدائی نشوونما میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ صوفیائے کرام کی خدمات کا ہی صدقہ تھا کہ اردو ادب کی نشوونما کے دروازے کھلتے چلے گئے اور یہ اپنی ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا گیا۔ بقول مولوی عبدالحق:

"یہ بزرگ اس زبان کے بڑے شاعر اور ادیب نہ تھے بلکہ ان کا مقصد اس زبان کی ترقی تھی ۔۔۔ گویا یہ ایک بھولی بسری داستان ہے۔ لیکن اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو کبھی بھول نہیں سکتا"

سوال ۔ امیر خسرو، گیسو دراز بندہ نواز، شمس العشاق شاہ میراں جی، شاہ برہان الدین جانم اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی ادبی خدمات کا ذکر کیجئے؟

جواب: اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام نے اہم، وسیع اور وقیع رول ادا کیا۔

حضرت امیر خسرو:

ابتدائی دور کے عظیم ترین شعراء میں امیر خسرو کا نام سرِفہرست ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی مشہور تصانیف میں "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" میں امیر خسرو کی شاعرانہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی خیالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے براہِ راست اردو ادب کے ارتقاء میں حصہ لیا۔ امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی اور فارسی و ہندی موسیقی کو ملایا ہے اور زیادہ تر ہندی میں نظمیں اور دوہے لکھے۔ ان کی غزل کے چند اشعار مولوی عبدالحق نے اپنی مشہور تصانیف میں "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" میں نقل کیا ہے:

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف روزِ عیش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور انملیاں وغیرہ ان کے نام سے منسوب ہیں۔ ایک پہیلی ملاحظہ ہو۔

بالا تھا جب سب کو بھایا — بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں — بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں

اس طرح امیر خسرو نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں نمایاں رول ادا کیا۔

حضرت گیسو دراز بندہ نواز:

ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے گیسو دراز کی ادبی تصنیفات کو خوب سراہا اور وہ لکھتے ہیں:

”حضرت علم و فضل اور صاحب تصانیف ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو سبق دیا کرتے تھے اور تعلیم کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی فارسی سے ناواقف تھے ان کو سمجھانے کے لیے ہندوی زبان میں درس دیا کرتے تھے۔“

نثر اور نظم کے چند نمونے:

اے معشوق بے مثال ذرہ بھی نہ پایا — اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپنی دیکھا وے لیکن آرسی لایا

ان کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

”معراج العاشقین“ ”تلاوۃ الوجود“ ”دارالاسرار“ ”شکار نامہ“ ”تمثیل نامہ“ اور ”ہشت مسائل“۔

اس طرح گیسو دراز بندہ نواز نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں نمایاں رول ادا کیا۔

شمس العشاق شاہ میراں جی:

حضرت گیسو دراز کے بعد وہ پہلے بزرگ ہیں جن کا نام مستقل طور سے ملتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے ان کے منظوم رسالے ”شہادۃ الحقیقت“ ”خوش نامہ“ ”خوش نغز“ اور ایک نثری تصنیف ”شرح مرغوب القلوب“ کے طویل اقتباسات سے متعارف کرایا ہے۔

آپ مکہ میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان آئے تو حضرت کمال الدین بیابانی سے بیعت ہوئے۔ ان کا تقریباً سارا کلام ہندی میں ہے۔ آپ بہت بڑے بزرگ تھے۔ آپ نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے۔ ان کا رسالہ ”شہادت الحقیقت“ ایک طویل نظم ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

اس کمالیت کا سنگ — اس خاندان کا رنگ
اس گماں کے دنیا حال — تو ہوئے پیر کمال
کچھ تو عیب بھرے — پیچ ٹھکنے تو ان کرے

BA Part II
Hons paper IV
Book - 4

یہ نظم ان کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے۔ بحر صاف ہے اور ہندی میں ہے۔ حمد میں فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن　　الرحیم تو سبحان
ہر سب عالم تیرا　　رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوئے　　نا خالق دوجا ہوئے

اس طرح شاہ میراں جی نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں نمایاں رول ادا کیا۔

شاہ برہان الدین جانم:-

مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو ادب کے آخری عہد کے ممتاز ترین شاعروں میں شاہ برہان الدین جانم ہیں۔ ان کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ منثور اور منظوم ہے۔ ان کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے الفاظ انتہا درجہ آسان اور سہل ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہے۔

سکتا قادر قدرت سوں سبھے تجھ کن کوئی کیا
جن کوئی مو سے دوجے راہ کہیا بندی من بیتا

مگر جس صنف سے شاہ برہان جانم کو جو کمال حاصل ہے اور جس کے باعث وہ آفاق ہو گئے ہیں وہ ان کی مثنوی نگاری ہے۔

شاہ برہان الدین جانم نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی:-

شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ ان کی مشہور تصنیف "رشد نامہ" ہے جس میں تصوف اور وحدت الوجود کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

دھن کارن پی آپ سنوارا
بن دھن سکھی کنت تمہارا
نس کھیلے دھن ما ہیں الواف
پاس ہوں ہوں اچھے جیوان
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ میتا
مجھ کارن تن اپنا کیتا
جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں اور نہ کوئے
دیکھا بوجھ بچار سوں سبھی آپیں ہوئے

الغرض آپ نے اردو کی ابتدائی نشوونما میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔